کراچی میں بجلی کا بحران

پروفیسر محمد نعمان (مرحوم)

یو آر سی فورم سیریز

F-144-6

مئی 2010

اربن ریسورس سینٹر، کراچی

اربن ریسورس سینٹر (یو آر سی) کراچی کی سطح پر کام کرنے والی ایک غیر سرکاری تنظیم ہے، جس کی بنیاد اساتذہ کرام، ماہرینِ سماجیات، طالب علموں، سماجی کارکنان اور کم آمدنی والے علاقوں کے لیے کام کرنے والی تنظیموں نے رکھی تھی۔ اس کی تشکیل ردِعمل تھا اس احساس کے پختہ ہوجانے کا کہ کراچی کا ترقیاتی عمل میں غریب اور متوسط آمدنی والے طبقے کے ضروریات کو مدِنظر نہیں رکھا جاتا۔ مزید یہ کہ یہ عمل منفی ماحولیاتی اور سماجی و معاشی اثرات مرتب کر رہا ہے۔ اربن ریسورس سینٹر اس صورتحال کو تبدیل کرنے کے لیے کراچی کے ترقیاتی منصوبوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے والا ایک مرکز بن گیا۔ اس فکر نے ماہرین اور سماجی کارکنوں کا ایک نیٹ ورک تخلیق کیا ہے جن کا تعلق سول سوسائٹی اور حکومتی اداروں سے ہے جو کہ منصوبہ بندی کے مسائل کو متاثرین کی نظر سے بھی دیکھتے ہیں۔ اس نیٹ ورک نے کامیابی کے ساتھ بہت سے حکومتی اداروں کے ترقیاتی منصوبوں پر اعتراضات اٹھائے جو کہ غیر موثر، بے حد مہنگے اور غریب مخالف تھے اور ساتھ ہی ان منصوبوں کا متبادل پیش کرنا۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح معلومات کے ہوتے ہوئے متعلقہ افراد کی بڑی تعداد، لوگوں کی تنظیمیں، این جی اوز، تعلیمی ادارے، سیاسی پارٹیاں اور میڈیا حکومت کو ان کی بات سننے پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اپنی تجاویز، منصوبوں اور سرمایہ کاری کے طریقہ کار میں مزید بہتری پیدا کرے۔ اس طرح تحقیق، ترقیاتی منصوبوں کی جانچ پڑتال اور ان کے شہریوں پر معاشی، سماجی اور ماحولیاتی اثرات کا جائزہ لینے کا کام شروع کیا گیا۔ اس کے ساتھ ان منصوبوں کے متعلق لوگوں کو معلومات کی فراہمی اور سرکاری اداروں کے ساتھ بات چیت کا عمل بھی شروع کیا گیا۔

یو آر سی فورم

یو آر سی مقامی ملکی اور بین الاقوامی ترقیاتی منصوبوں کے مسائل پر کام کرنے والے ممتاز ماہرین کے لیکچرز کا اہتمام کرتا ہے جن میں بنیادی سطح پر مسائل کے حل پر کام کرنے والے کارکنان، این جی اوز کے نمائندے، سرکاری اداروں سے وابستہ اہلکار، میڈیا اور تعلیمی اداروں سے وابستہ افراد اور متعلقہ لوگ شرکت کرتے ہیں۔ یہ فورم تنظیمی اور انفرادی سطح پر کام کرنے والوں کو موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے کام کا وسیع قومی اور بین الاقوامی معاملات سے موازنہ کر سکتے ہیں۔ یہ لیکچر ان تحریکوں کے لیے کام کرنے والوں کو معلومات فراہم کرتے ہیں جو پاکستان اور خصوصی طور پر کراچی میں منصفانہ اور ایسی حکمت عملیوں کے وضع کرنے کے لیے چلائی جا رہی ہیں جن کا مقصد صرف عوامی ترقی ہو۔

''کراچی میں بجلی کا بحران'' کے عنوان سے یہ لیکچر مورخہ 30 جولائی 2008ء کو یو آر سی کے دفتر میں منعقد ہوا۔ جس میں محترم محمد نعمان صاحب (مرحوم) نے شہر میں بجلی کے بحران اور اس سے متعلق مسائل کی وضاحت کی۔

زاہد فاروق:

اربن ریسورس سینٹر کی جانب سے میں آپ تمام مہمانان گرامی کو خوش آمدید کہتا ہوں جو ہمارے فورم میں اتنی دلچسپی لیتے ہیں۔ آج کے فورم کا موضوع ہے ''شہر میں بجلی کا بحران''۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ چاہے آپ دفتر میں ہوں یا گھر میں دونوں صورتوں میں آپ براہِ راست اس مسئلہ سے متاثر ہوتے ہیں، آپکی زندگی متاثر ہوتی ہے، گھر میں اگر خاتونِ خانہ ہوں تو وہ بیزاری اور چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتی ہیں اور اگر دفاتر میں ہوں تو دفتری امور نمٹانے میں تاخیر ہو جاتی ہے ہم سب لوگ اس عذاب کے عادی ہو گئے ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس عذاب کی تکلیف ختم ہو گئی ہے اس بنیادی مسئلے پر بات کرنے کے لیے ہم نے دعوت دی ہے جناب پروفیسر محمد نعمان صاحب کو جن کا تعلق این ای ڈی یونیورسٹی سے ہے۔ اس کے علاوہ یہ یو آر سی کی کونسل کے ممبر بھی ہیں۔ وہ آج اس موضوع پر بات کرتے ہوئے شرکاء فورم کے سوالات کے جوابات بھی دیں گے۔

محمد نعمان:

بہت شکریہ زاہد صاحب میں الیکٹریکل ڈپارٹمنٹ میں پڑھاتا ہوں اور الیکٹریکل انجینئر ہوں۔ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن سے بہت قریبی رشتہ رہا ہے اس حوالہ سے تھوڑی بہت معلومات بھی رکھتا ہوں۔ ہم اس کے پس منظر میں بھی جائیں گے اور مسائل کی نشاندہی بھی کریں گے۔ اس وقت اہم بات ہے کہ ہم ابھی کہاں کھڑے ہیں اور ایسی کونسی رکاوٹ ہے، ہمیں کیا کرنا اور کیا سوچنا چاہیے؟ میں بہت مختصر بات کروں گا لیکن کوشش کروں گا کہ گفتگو جامع ہو اور اگر کسی کو کچھ سمجھ نہ آئے تو وہ آخر میں سوال و جواب کے سیشن میں پوچھ لے۔ بہت دفعہ یہ ہوتا ہے کہ پس منظر اتنا تفصیلی ہو جاتا ہے کہ ہم اصل مسئلہ پر بات نہیں کر پاتے۔ دو یا تین چیزیں تو اس وقت واضح ہیں کہ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کی انتظامیہ پرائیوٹائزیشن کے بعد فیل ہو گئی ہے۔ یہ تیسرا سال ہے لیکن ابھی تک یہ اپنی کارکردگی کے حوالے سے کچھ بھی نہیں کر پائی بلکہ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن جس وقت پرائیوٹائز ہوئی تھی اس سے ادارے کی کارکردگی بہت پیچھے آ گئی ہے۔ دوسری طرف بات یہ ہے کہ بجلی کا بحران صرف موجودہ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کا حصہ نہیں ہے بلکہ پچھلی کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن اور سابقہ تمام حکومتوں کا بھی اس میں کردار رہا ہے، خاص کر یہ کہ پچھلے ۸ سالوں میں فوجی حکومت کا جو کردار رہا ہے اس میں یہ مسئلہ بہت بڑھ گیا ہے اس عرصے میں ایک میگا واٹ بھی اضافی بجلی پیدا نہیں کی گئی۔ پہلی چیز تو یہ کہ جو نجکاری ہوئی ہے وہ انتہائی غیر شفاف تھی اور اس میں بے پناہ نقائص تھے اور اب یہ دیکھنا ہے کہ ہم اس مسئلے سے کیسے نکلیں۔

پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۹۲ء میں ایک اسٹریٹیجک پلان بنا جس میں امریکہ، ورلڈ بینک اور ایشین بینک شامل تھے، اسمیں انہوں نے کہا کہ واپڈا اور کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو ری اسٹرکچر (Re-Structure) کر دیا جائے یعنی یہ ادارے دوبارہ توڑ کر کھڑے کر دیے جائیں۔ جس میں ڈسٹری بیوشن، جنریشن اور ٹرانسمیشن کے شعبے شامل ہوں اور ان کو ریگولیٹ (Regulate) کیا جائے کیونکہ اس ادارہ کو کسی کے حوالے تو کرنا ہے چنانچہ اس کے حل کے لیے ایک ریگولیٹری باڈی (Regulatory Body) بنے اور ریگولیٹر (Regulator) کا کام یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو آپریٹر کے مفاد کا خیال رکھتی

ہے کہ حکومت اس سے ناجائز مطالبات نہ منوا سکے، دوسری جانب ریگولیٹری باڈی (Regulatory body) خاص طور پر صارفین کے مفاد کے لیے بنے گی۔ جس ادارے کو ریگولیٹ کرنیکا اختیار دیا گیا اسکے پاس اتنا تجربہ نہیں تھا، وسائل نہیں تھے اسکی استعداد (Capacity) نہیں تھی، یہ ادارہ انتہائی کم قیمت پر دیا گیا بلکہ بالکل کوڑیوں کے مول سودا ہوا، اگر اس کی قیمت 300 ارب روپے تھی تو اسے 22 ارب میں بیچ دیا گیا، اس میں سے بھی آدھے پیسے لیے اور آدھے بعد میں لینے ہیں، ہم اس پر بات نہیں کرتے۔ اس سارے عمل میں نیپرا (NEPRA) شامل رہا یہ ریگولیٹری باڈی ہے اس کے ساتھ مل کر دیکھنا تھا کہ جو پرائیویٹ پارٹی آرہی ہے وہ کون سی کمی دور کرے گی، کونسا جنریشن پلان لائے گی، ٹرانسمیشن اور ڈسٹری بیوشن کا نظام جو نافذ ہے وہ ناقص ہے اسمیں پیسہ لگا کر کیا کیا امپرومنٹ کریگی، یہ باقاعدہ اس سے پوچھنا تھا لیکن اس سے پہلے اسے اپنا ہوم ورک پورا کرنا تھا کہ یہ ضرورت کس کی ہے لیکن اگر وہ ضرورت ہی پوری نہ کرے، اسے معلوم ہی نہ ہو کہ وہ پرائیوٹائز کرے یا نہ کرے، اس سے کوئی سرمایہ بھی آئے گا یا نہیں یہ سب انہوں نے نہیں کیا۔

دوسری طرف انہوں نے عوامی رائے یعنی مفادِ عامہ کے حق میں کچھ نہیں کیا اسکی مثال ایسے ہی ہے جیسے پانی کے ادارے کی نجکاری ہو جائے اور عوام سے کہا جائے کہ چونکہ تم نے بل نہیں دیا اسی لیے پانی نہیں ملے گا۔ یہی حال اب کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کا ہو گیا ہے نہ انہوں نے اس پر عوامی رائے (Public Consultation) کی اور نہ ہی وہ اسے مفادِ عامہ کی کونسل میں لے گئے پھر بجلی صوبائی حکومت کا مسئلہ ہے کنکرنٹ لسٹ میں آتا ہے، جسے صوبوں سے بھی نہیں پوچھا گیا ایک بات جو بہت اہم ہے کوئی بھی ایسا ادارہ جو براہِ راست عوام کو بنیادی ضروریات پہنچا رہا ہوتا ہے اس کا ایک نازک تعلق ریاست کے ساتھ ہو جاتا ہے کہ لازمی اسے یہ خدمت دینی ہے۔ اس قسم کے تعلقات پرائیوٹ ادارے جو پیسے بنانے کے لیے سامنے آرہے ہیں وہ کر ہی نہیں سکتے۔ بنیادی طور پر مفادِ عامہ کے خلاف انہیں بجلی نہ پہنچانے کے لیے یہ کام ہوا اور یہ عوام دشمن کاروائی نظر آتی ہے۔ یہ ادارہ اس پرائیوٹ پارٹی کو دینا چاہیے تھا جو زیادہ سرمایہ کاری (Investment) کرے جو یہ ڈونر ایجنسی تھیں جیسے ایشین ڈیولپمنٹ بینک نے کہا کہ ایک واحد سرمایہ کار کو بیچو، انہوں نے ایسا ہی کیا اس کے ٹکڑے بھی نہیں کیے۔ یو آر سی کے پلیٹ فارم سے ہم پہلے بھی یہ بات کرتے رہے ہیں کہ ایشین ڈیولپمنٹ بینک اور ورلڈ بینک وغیرہ کس طرح ہم پر اپنی عوام دشمن پالیسی مسلط کرتے رہے ہیں، ایشین ڈیولپمنٹ بینک ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۳ء تک انفرااسٹرکچر کی ڈیولپمنٹ اور پاور پلانٹ کے قرضے دیتا تھا جو ایک حد تک اچھی بات تھی لیکن ۱۹۸۴ء میں انہوں نے پہلا قرضہ مختلف بہانے کے ساتھ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو دیا مگر وہ پروجیکٹ کا پیسہ ریلیز نہیں کر رہے تھے جسکی وجہ سے ہمارا ٹرانسمیشن اور ڈسٹری بیوشن دونوں نیٹ ورک خراب ہوئے اور حکومتیں جو اس دور میں تھیں انہوں نے بھی کوئی سرمایہ کاری نہیں کی۔ ۱۹۸۰ء تک کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن بہت اچھا ادارہ تھا۔ ۱۹۸۴ء میں ضیاء الحق صاحب نے کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو واپڈا کے حوالے کر دیا اسکی اپنی بیوروکریسی اور بیوکریٹک طریقے آئے اس سے کے ای ایس سی کا نظام خاصا خراب ہوا اور ادارے میں کرپشن آئی۔ ڈسٹری بیوشن کے نقصانات ۱۹۸۵ء میں محض ۱۷% تھے لیکن بعد میں وہ 40% ہو گئے جسمیں بجلی چوری اور لائن لاسز کا عنصر بھی شامل ہوا۔ لائن لاسز (Line losses) اسکو کہتے ہیں کہ اگر آپ نے تیلی تاریں رکھی ہوئی ہیں تو اس میں سے زیادہ یا مطلوبہ وولٹیج نہیں گزرے گا اور اس کا نقصان بھی ہم صارفین کو ہی اٹھانا پڑے گا کیونکہ وہ تو اپنی طرف سے اتنی پاور بھیج دیں گے جو ہم تک نہیں پہنچی وہ اسکی ذمہ داری قبول نہیں کریں گے۔ لہٰذا اس کا خمیازہ بھی ہمیں اٹھانا پڑے گا۔ یہ ساری باتیں آگئیں اب صورتحال یہ ہے کہ

ہوتی ہے اور پھر یہ استعداد (Effciency) ہوتی ہے پلانٹ کی، اس وقت جو پلانٹ چل رہے ہیں انکی ۳۰ سے ۲۰ فیصد استعداد ہے اور جو دنیا میں دستیاب ہیں وہ ۵۰ فیصد سے اوپر انکی استعداد ہے یہاں تک کہ اگر ہم کوئلہ کے بھی پلانٹ لگائیں تو ۴۰ فیصد سے زیادہ استعداد کے میسر یا موجود ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہمیں زیادہ استعداد کے پلانٹ چاہیں۔ دوسری اسکی کمزوری نیٹ ورکنگ کی ہے اگر ہو بھی تو ٹرانسفارمر سسٹم چھوٹا ہے، کیبلز بھی درست نہیں، آپ کا ڈسٹری بیوشن سسٹم اتنا نازک ہے کہ جو بار بار ٹوٹتا رہتا ہے، پروڈکشن بھی درست نہیں، تاریں بھی موٹی چاہئیں چنانچہ ڈسٹری بیوشن کی کمی کی وجہ سے اور جنریشن کی کمی کے ساتھ ساتھ چوری کا مسئلہ بڑھتا جارہا ہے۔

ایک اور آخری چیز یہ ہوئی کہ یہ جو پرائیوٹائزمینجمنٹ آئی انہوں نے غیر ضروری سرمایہ خرچ کیا، مطلب یہ کہ میٹرز پر دو سے تین ارب روپے خرچ ہوئے جو میٹر انہوں نے گھروں سے باہر لگوائے تھے وہ جی آئی ایس (GIS) سسٹم جسکی فوری ضرورت نہیں تھی اس پر آگئے اس قسم کی چیزوں پر انہوں نے بہت خرچ کیے جن سے بچا جاسکتا تھا اور جو ضروری چیزیں ہوسکتی تھیں وہ نہیں ہوئیں۔ اب ہم جن چیزوں پر آکر رکے ہیں یا پھنسے ہیں کہ کیا ہم موجودہ پرائیوٹائزیشن کو چلنے دیں کہ شاید آگے بہتری ہوجائے اور کچھ چیزیں ڈیلیور ہوجائیں تو ایک تو یہ آپشن ہے ہمارے پاس دوسرا آپشن یہ کہ ہم حکومت پر زور دیں کہ وہ اس پرائیویٹ مینجمنٹ کو بھگادے اور اسے خود چلائے، تیسرا آپشن یہ ہے کہ آپ کہیں کہ پرائیویٹ پارٹی کے بھی اپنے مفادات ہوتے ہیں اور حکومت کے پاس بھی اتنا پیسہ نہیں ہوگا اور پھر حکومت بھی ایک حد تک نااہلی کے ساتھ چلائے گی۔ اس لیے کہ ایسا عموماً ہوتا ہے اور یہ مسئلہ ہماری زندگی کے ساتھ اتنا جڑا ہوا ہے کہ اس سے ہماری صنعت ہمارے گھر کا سکون نیز سب کچھ جڑا ہوا ہے، چوتھی چیز یہ ہوسکتی ہے کہ ہم خود اس میں اپنا کردار ادا کریں کہ کیا ہوسکتا ہے کیونکہ ہر چیز کی اپنی اہمیت ہوتی ہے کہ کیا کرنے کے لیے کیا کرنا پڑے گا۔ اب ہم ان آپشنز پر تفصیل سے بات کریں گے۔ پہلا آپشن پرائیویٹ مینجمنٹ پر زور دیں، حکومت پر زور دیں کہ یہ جو نئے پاور پلانٹ لارہی ہے جلد لائے، سرمایہ کاری میں اضافے کرے اپنے وسائل اور شفافیت کو برقرار رکھے، جو بھی وہ سودا کرے اس کے اعداد و شمار عوام کے سامنے ہوں اور ساتھ ساتھ ہم نیپرا پر زور دیں کہ وہ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن پر دباؤ ڈالے تاکہ وہ بہتر مانیٹرنگ کرسکے استعمال کنندہ کو ایسی بات کا بھی جواب دینا ہے کہ کہاں کہاں لوڈشیڈنگ ہوتی اور کتنی ہوتی اس کا جواز تھا اور نہیں معلوم یہ بات (justified) تھی بھی یا نہیں، چاہے اسمیں کوئی بھی خرابی تھی کہ وہ پاور فیکٹر کی تھی یا لائن کی خرابی تھی۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم گورنمنٹ کو کہیں کہ آپ نے پرائیوٹائزیشن کے لیے جو بھی اہداف بنائے تھے انہوں نے اسمیں سے کوئی بھی ہدف حاصل نہیں کیا لہٰذا یہ نجکاری فیل ہوگئی ہے آپ انکی چھٹی کریں کیونکہ ہمارے پاس قانونی حیثیت ہے ہم اسے واپس لے سکتے ہیں لہٰذا حکومت اس پر سرمایہ کاری بھی کرے اور اچھی طرح سے اسے چلائے، گو کہ یہ ریاست کا کام ہے لہٰذا یہ ریاست ہی کا فرض بنتا ہے اور جو موجودہ حالات ہیں اسکے لیے ہمیں خود ہی آواز اٹھانی پڑے گی۔ پچھلی حکومت کی شاہ خرچیاں تھیں تو اسکے نتیجے میں یہ ہوا کہ اب جو موجودہ بجٹ آیا اسے بیلنس کرنے کے لیے بھی موجودہ حکومت کے پاس پیسہ نہیں تھا اور اس دوران جو غیر ملکی سرمایہ تھا وہ ہر تھوڑے دنوں بعد ہماری اسٹاک مارکیٹ کریش کرجاتی ہے، لوگ سرمایہ نکال کر لے جاتے ہیں، روپیہ کی قدر بھی کم ہونے سے اربوں روپے کے قرضہ اسٹیٹ بینک سے لینے پڑے جو بینک نئے نوٹ چھاپ کر دیتا ہے اس کا مطلب افراطِ زر ہوتا ہے اور قیمتیں ہر چیز کی بڑھتی ہیں، تیسرا یہ

کہ اس نے ورلڈ بینک، ایشین بینک سے با قاعدہ قرضہ لیا ہے اور قرضہ مفت میں نہیں لیتے قرض کا مطلب یہی تھا کہ وہ چیزیں بیلنس کر سکیں، حکومت مجبور ہو کر دباؤ میں آسکتی، کہ آپ نے پہلی سبسڈی جو لی ہوتی ہے اسے آپ مستقبل میں ہٹائیں گے تو حکومت تو پہلے ہی وعدہ کر چکی ہے جس کے نتیجے میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ پیٹرول، اور گیس کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے، بجلی کی قیمتوں میں بھی آپ اسی تیزی سے اضافہ دیکھیں گے جو کہ اب شروع ہو رہا ہے۔ دوسرا یہ کہ جب حکومت ورلڈ بینک اور ایشین ڈیولپمنٹ بینک کے پاس جائے گی کہ آپ پیسے دیں تو ہم اسے پروجیکٹ پر لگائیں تو ان کا سود بہت کم ہوگا اور ابھی جبکہ آئی ایم ایف سے قرضہ لینا ہے اسکی شرائط بہت سخت ہوتی ہیں ہمیں بہت زیادہ پیسہ لگانا ہوتا ہے تو وہ چیز مشکل ہے کہ وہ آسانی سے قرضہ دیں۔ تیسرا آپشن یہ ہے کہ شہر ہمارا ہے پاکستان کا امیر ترین شہر ہے، سب سے زیادہ پروڈکشن پیدا کرتا ہے ہم اس کے لیے مختلف پریشر بناتے ہیں تو یہاں کے جو اسٹیک ہولڈرز ہیں جنکی فہرست بینک سے آتی ہے اس کے جو بڑے بڑے حصہ دار ہیں ان میں صنعت کار سرفہرست ہیں کاروباری حضرات ہیں ان کا مفاد وابستہ ہے۔ آخر میں غریب عوام آجاتے ہیں تو یہ اسٹیک ہولڈرز ہیں جو اسکی ذمہ داری اٹھائیں اس کو چلانے کی بات کریں لیکن وہ ذمہ داری مالی طور پر بھی ہوگی اور وہ مزید کام بھی چاہے گی۔ اسمیں اگر ہم تیسرے پہلو پر بھی آجائیں یعنی متبادل پر بھی سرسری طور پر آجائیں کہ اسمیں ہم کیا کیا کر سکتے ہیں، پہلی بات تو یہ کہ حکومت کو نج کاری ختم کر کے واپس دینی پڑے گی، اب جب حکومت واپس دے گی تو اس میں تین چار باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پچھلی دفعہ غیر ملکی ادارے نے بھی کہا تھا اور ہم بھی صحیح سمجھے ہیں کہ جنریشن، ٹرانسمیشن اور ڈسٹری بیوشن کے جو فنکشن ہیں انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جائے اب مرکزی حکومت ادارے کو واپس لیتی ہے تو وہ پھر اسے اپنے پاس نہ رکھے۔ آپ کے آئین کے مطابق جو کنکرنٹ لسٹ ہے اس میں بجلی صوبائی مسئلہ ہے وہ صوبے کے حوالے کر دیں، پہلے بھی ماضی میں جب کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن چل رہی تھی تو ماضی میں پرائیوٹائزیشن سے قبل جنریشن اور ٹرانسمیشن ہم اسے کہہ رہے ہیں جو ۳۲ ہزار اور ۶۶ ہزار وولٹ پر ہوتا ہے اس میں مسئلہ کبھی نہیں رہا، مسئلہ سارے کا سارا ڈسٹری بیوشن کے نیٹ ورک میں رہا ہے یا جنریشن کی گنجائش (Capacity) پر جو کبھی نہیں بڑھا جہاں تک اسے چلانے کا تعلق ہے یہ ادارہ گورنمنٹ آف سندھ کے تحت اچھی طرح سے چلتا رہا ہے۔ گرڈ اسٹیشن کی جنریشن اور ٹرانسمیشن کا جو نیٹ ورک ہے اس کو کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کا اسٹاف دیکھ سکتا ہے وہ چلاتا رہا ہے اور ابھی بھی چلا سکتا ہے اس میں جو نا اہلی آتی ہے وہ اس وقت آتی ہے جب واپڈا کا اسٹاف آجائے، فوج آجائے جسمیں زیادہ تر عرصہ جو قابل انجینئر ہوں انہیں ذلیل کر کے نوکری چھوڑنے یا ریٹائر ہونے پر مجبور کیا۔ تیسری چیز جو ہمارا کور ڈ ایریا ہے ایک تو ڈسٹری بیوشن کا ہے اور جنریشن کا ہے اسمیں اگر ہمارے صنعت کار، عوام اور ٹاؤن اور یونین کونسل کے جو کونسلرز ہیں انہیں سامنے آنا پڑے گا کیونکہ یہ بات میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ جنریشن صحیح معنوں میں بڑھانے کیلئے ہمیں زیادہ عرصہ چاہیے فوری طور پر سب سے زیادہ کام بچت (Conservation) پر ہو سکتا ہے کہ ہم بجلی کس طرح لگائیں، کس طرح بچائیں تو اس پر بہت واضح ہے کہ ہم لوڈ کا بریک ڈاؤن کریں، دنیا میں ۷۰ فیصد انڈسٹری خرچ کرتی ہے ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے ہمارے یہاں ۲۰ سے ۲۵ فیصد بجلی کا جو لوڈ ہے وہ صرف ایئر کنڈیشنگ کا ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ سردیوں میں بجلی کے مسائل کسی حد تک قابو میں آجاتے ہیں اور گرمی میں بڑھ جاتے ہیں۔

سرکاری دفاتر میں ائیر کنڈیشن کے بیجا استعمال اور بجلی کی کمی کو پورا کرنے کے حوالے سے حکومت نے یہ اعلان کیا کہ دفاتر میں صبح ۱۱ بجے کے بعد ائیر کنڈیشن چلے گا اس سے پہلے نہیں چلے گا تو آپ دیکھ لیں کہ لوگ آتے ہی ۱۱ بجے ہیں جب تک آپ کے ائیر کنڈیشن (AC) لگے رہینگے تو یہ کسی بھی حکم کی پابندی نہیں کریں

گے اور جب حکومت سنجیدہ ہے تو اس کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ تمام اے سی (Air Condition) اکھاڑ کر ڈبوں میں بند کر دیں اور کسی کی ڈیوٹی لگائیں یا کوئی عوامی نمائندہ ہو جو مسلسل وزٹ کرتا رہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ سٹی گورنمنٹ اور اس کے ادارے بھی ایسی پالیسی کو اپنا سکتے ہیں، تیسری سطح پر جائیں تو محلّہ میں گرمیوں میں آپ کو پتہ ہے کہ وولٹیج بھی کم آرہے ہوتے ہیں تو عادی لوگ جلدی سے اپنا اے سی (Air Condition) چلا لیتے ہیں تو اگر آپ لوگ محلّہ کمیٹی یا فلیٹ کمیٹی بنائیں تو پھر اسکی روک تھام ہوسکتی ہے، تیسری جانب اس چیز کو کم کرنے کے لیے اور بھی بہت کچھ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ کراچی میں ایسے بھی محلے یا فلیٹ ہیں جہاں دن کے وقت بھی بجلی کھولے بنا گزارا نہیں ہوسکتا اور اگر آپ پل کے اس طرف ڈیفنس میں چلے جائیں یا کے ڈی اے اسکیم 1 میں چلے جائیں تو وہاں گھر ایسے بنے ہوئے ہیں کہ وہ ہوادار ہیں اور اگر بجلی چلی بھی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ گھروں کے مکین چھت پر چلے جائیں گے جبکہ فلیٹ میں ایسا کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا چنانچہ ۳۰۰ یونٹ سے زیادہ اگر کوئی خرچ کرتا ہے اور اس کا ٹیرف بڑھتا ہے، ٹیرف کا مطلب پروگریسو ٹیرف ہے اور یہ اتنا بڑھ جائے کہ اسے مجبور ہو کر بہت پیسہ دینا پڑے گا اور مجبور ہو کر اپنا اے سی بند کرنا پڑے گا اسطرح باقی شہر کے لیے بجلی بچ جائے گی۔

یہ تو صرف اے سی کی بات ہے اب دوسری جانب اسکیم سائیڈ پر آجائیں پچھلے ۱۰ سالوں میں کراچی پورٹ ٹرسٹ (KPT) اور سٹی گورنمنٹ نے کراچی پر بہت پیسہ لگایا اس میں کوئی شک نہیں، یہ پیسہ کس کے حصہ کا تھا میں اس پر کوئی بات نہیں کروں گا لیکن کراچی میں لگا سڑکوں کی حالت درست ہوئی، ٹرانسپورٹ کا نظام درست ہوا نہیں ہوا وہ الگ بحث ہے، کھمبوں کی حالت بہتر ہوئی، پہلے کھمبوں پر ۱۰۰ واٹ کے بلب تھے اب ۴۰۰ واٹ کے بلب جلتے ہیں۔ دنیا میں ہوتا ہے کہ جہاں شاہراہیں ہوتی ہیں اس پر (Reflector) لگا کر چلتے ہیں، ہمارے یہاں دیکھیں جتنی بھی سڑکیں اور پل بنے ہیں وہاں پر بجلی ہی بجلی نظر آتی ہے، یہ کسی قانون (Regulation) کے تحت ہے ہی نہیں، پہلے ساری فالتو لائٹوں کو بند کرنا پڑے گا۔ جہاں جہاں چوراہے ہیں وہاں بھی ایک بلب رکھیں، گلیوں کی اسٹریٹ لائٹس کو بھی بند کرنا پڑے گا اس سے بچت بھی ہوگی۔ اس میں یونین کونسلز کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی پڑیگی اور مکینوں کو چاہیے کہ وہ تار کے ساتھ ایک سوئچ بھی لگائیں تاکہ جو بتیاں بند کرنی ہیں وہ بند کر دیں تاکہ جو بجلی آپ اسٹریٹ لائٹس سے بچائیں گے وہ بھی استعمال ہوسکتی ہے۔ لہذا یہاں پر عوام کا، سٹی گورنمنٹ

کا اور یونین کونسلز کا کردار سامنے آتا ہے۔ اسی طرح سے جو کمرشل ہورڈنگ ہوتے ہیں، نیون سائن بورڈز ہوتے ہیں وہ بھی رات ۱۱ بجے کے بعد بند ہو جانے چاہیں، جب بجلی کی ڈیمانڈ نہیں ہوتی تو بے شک بعد میں انکی لائٹ کھول دیں۔ تیسری طرف ہم کمرشل فیکٹر کی بات کریں تو حکومت کا اعلان کہ گھڑیاں ایک گھنٹہ پیچھے کریں اسمیں بھی کچھ نہیں تھا اور پھر دکانیں رات ۸ بجے بند ہو جائیں اس پر عمل بھی نہیں ہوسکا۔ کیونکہ گرم ممالک میں دکانیں بند نہیں ہوسکتیں اور پھر یہ یورپ نہیں ہے جو بند ہو جائے۔ لیکن اگر دکانوں پر بھی جا کر دیکھ لیں تو انہیں تو بالکل آزادی ہے، دکانداروں کا آپس میں لائٹنگ کا مقابلہ ہوتا ہے کہ کس دکان پر زیادہ لائٹس ہیں، رات میں اگر لائٹ جل رہی ہے دکان کے نام کے اوپر تو کوئی ضروری نہیں کہ بہت ساری لائٹیں جلائی جائیں نہ بلب اور نہ ٹیوب لائٹ صرف ایک انرجی سیور ہی کافی ہے کہ یہ دکان کا نام ہے یا پھر غیر ضروری لائٹ پر جرمانہ ہونا چاہیے اگر کوئی کپڑا بیچ رہا ہے تو اس کے پاس زیادہ لائٹ ہے اسی طرح جوہری کے پاس بھی زیادہ لائٹ ہوتی ہے کوئی سبزی اور گوشت بیچ رہا ہے ہر ایک کے اپنے معیار ہیں، اس معیار کے مطابق انہیں اپنی بجلی استعمال کرنی ہوگی بلکہ

انرجی سیور استعمال کرنا ہوگا، انرجی سیور کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ انرجی سیور میں رنگ صحیح نظر نہیں آتے تو کپڑے والوں کا یہ کہنا درست ہے کہ پیلی لائٹ میں تو رنگ صحیح نظر آجاتے ہے لیکن انرجی سیور میں رنگ صحیح نظر نہیں آتا یہ مسئلہ ان کا درست ہے اسے بھی ٹھیک کرنا ہوگا تو کمرشل سطح پر اسطرح کے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ چوری کا مسئلہ بھی ہے اگر وہ چوری کر رہا ہے تو وہ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو نہیں بلکہ اسکے کسی اہل کار یا عہدہ دار کو وہ اس چوری کی ادائیگی بھی کر رہا ہے یا پھر وہ پاور فل ہے۔ اثر ورسوخ والا ہے کوئی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا اور جو کوئی چوری کرتا ہے وہ اس سے جتنے چاہے بلب استعمال کرے گا، اے سی لگائے گا اُسکے خلاف مہم میں مقامی انجمنیں، ٹاؤن کونسل یا تاجر برادری اسمیں شامل ہو جائے اور انہیں پکڑوا دے کیونکہ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کی جو چھاپہ مار ٹیم ہوتی ہے وہ خود کمزور ہوتی ہے اور پھر وہ رشوت لیکر معاملہ دبا دیتی ہے، تو آپ کو ایسی باڈی تشکیل دینی ہوگی کہ وہ ان تمام معاملات کو دیکھ سکے۔ ان ساری باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ صنعت کار اور تاجروں کی انجمنیں شور کر رہی ہیں کہ ہمیں بجلی چاہیے لیکن وہ اسکے لیے شور نہیں کرتی کہ چور پکڑے جائیں اور فالتو بجلی کو کنٹرول کریں، جب تک ان کی طرف سے یہ بات سامنے نہیں آئے گی تب تک مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ اب شورٹ ٹائم جنریشن کی بات کرلیں مختصر ٹائم کے لیے فوری طور پر جنریشن بڑھائی جاسکتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ جنریشن کی ضرورت خاص کر صنعت کاروں کو ہے، صنعت کاروں کے لیے ہم نے بعض جگہوں کی نشان دہی کی ہے مثال کے طور پر سائیٹ اور کورنگی کا گیس یونٹ ہے جو انڈسٹریل ایریا کو گیس دیتا ہے۔ ۱۰۰ میگاواٹ کی لائنیں ڈالی تھیں لیکن یہ کوئی ۳۰ سال پرانی بات ہے اب اسکی استعداد بہت کم رہ گئی ہے شاید ۴۰ فیصد ہی چلتی ہو جگہ بھی وہاں بہت پڑی ہے تو وہاں پوری تحقیق کرنی پڑے گی کہ گیس یونٹ جنریٹر لگا دیں۔ گیس جنریٹر کی ۴۰ فیصد کارکردگی ہوتی ہے وہ فوری طور پر لگ سکتے ہیں لیکن اس کے کچھ تکنیکی مسائل ہیں کیونکہ اگر صحیح سے نہیں دیکھا جائے کہ کہاں کہاں درست سمت میں لگ سکتا ہے تو یہ پھر ٹرپ ہوسکتا ہے، اسی طرح بعض گرڈ اسٹیشن پر بھی لگ سکتے ہیں۔ ایک چیز کہلاتی ہے پیک ڈیمانڈ (Peak Demand) تو انتہائی طلب (Peak Demand) کو آپ جتنا کم کریں گے اتنی دیر آپ کے پاس بجلی رہ سکتی ہے، اسے کم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے گرڈ اسٹیشن کو دیکھا کر کتنے صارفین کے پاس جانا ہے اسکی (Peak Demand) آپ نے بریک کر کے رکھنی ہیں کہ اگر وہ زیادہ جائے گی تو آپ اس پر پینلٹی بھی لگائیں۔ یاد رکھیں کہ ہم اس سے زیادہ آپ کو نہیں دیں گے اور یہ بھی کہ زیادہ لوڈ شیڈنگ نہ ہو اور جب وہاں لوڈ شیڈنگ ہوگی تو اس پر بھی بحث چلے گی کہ لوڈ شیڈنگ ان کے ٹاؤن میں نہیں ہو رہی تو ہمارے ٹاؤن میں کیوں ہو رہی ہے تو کہیں گے کہ آپ اپنی پیک ڈیمانڈ (Peak Demand) کو کسی بھی طریقہ سے کم کریں۔ آخری چیز جو مجھے پہلے کہنی چاہیے تھی میں اس کا ذکر کرنا بھول گیا وہ یہ کہ ڈسٹری بیوشن کی جہاں زیادہ ضرورت ہے، مرمت کی، کیبلز کی، ٹرانسفارمرز کی، اخراجات کی، اور پیڈ وائرنگ کی، تو وہاں یہ ہوسکتا ہے کہ غالباً ہمارے پاس ۵۴ گرڈ اسٹیشن ہیں ان کے نیچے جو فیڈر چلتی ہے جو نظام ہے ۱۱ ہزار وولٹ کا اور ۴۴۰ اور ۲۳۰ وولٹ کا تو آپ ان کا مینجمنٹ فیکٹر پرائیوٹ پارٹی کے حوالے کریں اور اسکے اوپر بھی پرائیوٹ پارٹی ہو جو کم از کم ۲۰ سے ۳۰ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کر سکتی ہیں اور آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ اس شہر میں ایسے لوگ موجود ہیں جنکے لیے اتنا پیسہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ان کے حوالہ یہ نظام کریں اور بتا دیں کہ بل کا کلیکشن اتنا ہوتا ہے اور گرڈ اسٹیشن سے جو بجلی جاتی ہے ہمارے میٹر اتنی بتاتے ہیں اور جو درمیان میں گیپ یا فاصلہ ہے وہ چوری کا ہے یا لائن کے نقصانات کا ہے، تو ان دونوں کا جو فرق ہے وہ تو ہم آپ کو دیں گے، اتنا پیسہ آپ کو دیں گے اور اتنی استعداد بھی آپکے حوالے کریں گے۔ اور دوسری بات یہ کہ تم جتنی بجلی بڑھاؤ گے، جتنا فیصد بڑھے گا ان سب کا منافع تمھیں ملتا رہے گا چنانچہ وہ ۲۰ سے ۳۰ کروڑ روپے لگانے سے کافی بہتری آئے گی اور بریک ڈاؤن کی

صورتحال بھی بہتر ہوگی۔اس سے شہر کے لوگوں کو ملازمت بھی ملتی ہے اور شہر کا پیسہ شہر کے سرمایہ داروں کے پاس ہی رہتا ہے شورٹ ٹائم جنریشن کے لیے انہی کے ساتھ ملکر صنعت کار بھی سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔

اس قسم کی تجاویز میرے سامنے ہیں لیکن اسمیں ایک بہت بڑا نقص موجود ہے کہ جو لوگ اور انسٹی ٹیوشن موجود ہیں کیا وہ اس قابل ہیں کہ آپس میں ملکر یہ بتا سکیں کہ عوام کے نمائندے، صنعت کاروں کے نمائندے اور سٹی گورنمنٹ کے نمائندے بھی ملکر کام کریں جو کہ ایک فعال کردار ادا کر سکیں گے اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو میرے نزدیک مسئلہ کا حل یہ نہیں ہے کہ ہم نعرہ بازی کریں، جلاؤ گھیراؤ کریں، روزگار مانگیں، یہ سارے تصورات دنیا میں صنعتی انقلاب کے بعد اس وقت آئے تھے جب عوام نے یونین سازی کر کے پارٹیاں بنا کر ۱۰۰ سال تک جدوجہد کر کے مرمرا کے اپنے کام کے اوقات کار کو ۱۲ گھنٹہ سے لیکر ۶، ۷، ۸ گھنٹہ تک لے آئے تھے اور اپنے لیے مراعات حاصل کر لیں تھیں اور کوئی شورٹ کٹ نہیں ہے۔

زاہد فاروق:

موضوع کے حوالے سے اگر کوئی سوال یا کوئی تجویز آپ کے ذہن میں ہو تو کہہ سکتے ہیں۔

سوال: طویل مدت یا قلیل مدت کن طریقہ کار سے بجلی کی جنریشن بڑھ سکتی ہے، کیا کوئلے سے بھی پیدا ہو سکتی ہے؟

محمد نعمان:

جو لوگ کہتے ہیں کہ بڑے پمپ یا بجلی گھر بنائیں تو ہم لگائیں، تو ڈیم کے نقصانات تو صوبوں کے ہوتے ہیں لیکن ماحولیات کی خرابی میں بھی اس کا بڑا دخل ہوتا ہے اس میں جتنی زیادہ سرمایہ کاری چاہیے پہلے اتنی زیادہ سرمایہ کاری نہیں لگتی تھی، اب جتنا خرچ اس پر آئے گا وہ ممکن نہیں ہے۔ تیسری چیز جو آپ نے کہی ہے کہ کوئلہ کے پلانٹ پر کام کرنا چاہیے۔ آپ نے بالکل صحیح کہا پچھلی حکومت نے چائنا کے ساتھ کام شروع کرنے کا ارادہ بھی کیا لیکن وہ نہیں ہو سکا کوئلہ پر اگر ہم آج کام کریں تو وہ آئندہ ۵ سالوں میں ہوگا تو بتایئے کہ ان ۵ سالوں میں ہم کیا کریں گے۔ ابھی بھی گیس اتنی زیادہ نہیں ہے، جہاں جہاں طے ہوا ہے وہاں معاہدے کرنے پڑتے ہیں اور گیس کم ہو جاتی ہے گیس کے ذخائر لامحدود (Un Limited) نہیں ہیں یہ مسئلہ گیس کے ساتھ بھی ہے۔ یہ تو اس وقت حل ہوگا جب کوئلہ آجائے یا ایران سے گیس کی پائپ لائن بچھا دی جائے۔

لطیف مغل:

کیا حکومت کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو واپس اپنی تحویل میں لے سکتی ہے اور اگر لے لیتی ہے تو کیا اسکو آپریٹ کر سکتی ہے؟

زاہد فاروق:

یہ ہمارے ساتھی لطیف مغل ہیں جو کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن سے بھی وابستہ ہیں یہ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن پیپلز ورکر یونین کے جنرل سیکریٹری بھی ہیں اسی لیے بجلی کے مسائل کافی معلومات رکھتے ہیں۔

محمد نعمان:

میں تھوڑا اور واضح کردوں کہ میں نے کہا کہ حکومت نج کاری ختم کردے لیکن اگر حکومت ہی کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو واپس لے لے اور اس پر کثیر سرمایہ خرچ کرے تو آپ کو بھی اندازہ ہے کہ قیمتیں کتنی زیادہ ہوگئی ہیں اور پھر حکومت کے پاس اتنی گنجائش نہیں ہے کیونکہ حکومت اس وقت جیسی پوزیشن میں چل رہی ہے اگر وہ اسے لے گی تو قرضہ حاصل کریگی ایشین بینک سے یا کسی سے بھی قرضہ حاصل کریگی۔ میں نج کاری کے خلاف ہوں اور سب کو معلوم ہے کہ حکومت اس وقت معاشی بحران کا شکار ہے وہ کرنہیں پائے گی اور پھر وہ جب قرضہ لے گی اور اس ادارہ کی کارکردگی بھی بڑھانی ہوگی اور حکومت ایسا کرنہیں پاتی تو کارکردگی بھی نہیں بڑھے گی اور جب قرضہ واپس کرنے کی بات آئے تو سندھ کی عوام خاص کر کراچی کے وہ لوگ جن کے پاس بجلی بھی نہیں آرہی اُنکو بھی ادائیگی کرنی پڑے گی ہے، جیسا کہ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے قرضوں کی ادائیگی عام عوام کررہے ہیں۔تو قرضہ اگر لیا ہی ہے تو میں صنعت کاروں اور سرمایہ کاروں کو اس لیے ترجیح دے رہا ہوں کہ حکومت کے برعکس انکی شاہ خرچیاں اور چوریاں، نااہلی یہ سب نسبتاً کم ہونگے۔

زاہد فاروق:

میں بہت مشکور ہوں کہ نعمان صاحب نے اتنی معلوماتی باتیں کیں اور ساتھ ہی آپ لوگوں کا بھی مشکور ہوں کہ آپ شرکاء ہمارا فورم کامیاب کرتے ہیں۔ اے۔سی استعمال کرنا، گھریلو الیکٹرونک مشینری استعمال کرنا یہ ہم سب کا بنیادی حق ہے کیونکہ ہم اسکی ادائیگی کررہے ہیں لیکن کچھ خرابیاں ہیں جنہیں درست کرنے کی ضرورت ہے اور یہ سب خرابیاں نظام کی خرابیاں ہیں جنہیں شہری اور ملکی ادارے ملکر ہی دور کرسکتے ہیں۔آپ تمام خواتین حضرات کا فورم میں شریک ہونے کا شکریہ۔

کراچی میں بجلی کا بحران

مئی 2010

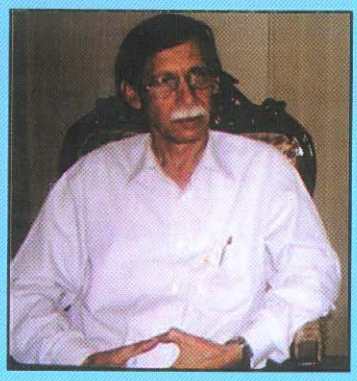

محمد نعمان ۱۹۵۱ء-۲۰۰۹ء

پروفیسر محمد نعمان ۱۹۵۱ء میں بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ سیکنڈری تک کی تعلیم کیڈٹ کالج پٹارو میں پائی اور بعد ازاں این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کراچی سے الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔ نارتھ کیرولینا سے ماسٹرز کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے کراچی نیوکلیئر پاور پلانٹ میں ملازمت اختیار کی لیکن جلد ہی اپنی بنیادی مادرِ علمی میں درس وتدریس کے شعبہ سے وابستہ ہوگئے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ نعمان صاحب کی تعلیمی قابلیت اور قابلِ ستائش صلاحیتوں کی وجہ سے انہیں بعض معروف اداروں بشمول ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے ملازمت کی پیشکش ہمیشہ رہی۔ مگر نابغہ روز گار ان کی افتادِ طبع نے کبھی ان کو قابل اعتنا نہ جانا اور مرتے دم تک درس تدریس جیسے اہم شعبے سے وابستہ رہے۔

۱۹۶۰ء کے آخر اور ۱۹۷۰ء کے اوائل، میں جو ان کا زمانہ طالب علمی بھی تھا، وہ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سرگرم کارکن رہے اور ایوبی دورِ آمریت کے خلاف مزاحمتی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

نعمان صاحب کی شخصیت کے مقتدر پہلوؤں میں سے ایک پہلو ان کی سماجی خدمات کا بھی ہے۔ انہوں نے رضا کارانہ طور پر ایدھی فاؤنڈیشن کی وائرلیس سروس کا اجراء کیا۔ مزید برآں سابقہ بلدیہ عظمیٰ کراچی میں بطور ٹیکنیکل ایڈوائزر کی خدمات بھی انجام دیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے پانی، بجلی، جبری مشقت اور دیگر کئی سماجی موضوعات پر گراں قدر تحقیقی مقالے بھی تصنیف کیے۔ چوٹھیاری ڈیم کے منصوبے سے بے دخل ہونے والوں کی آبادکاری، کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کی نج کاری کے خلاف سماجی اداروں کی تحریک، طلبا کی تنظیم سازی اور نظریاتی تربیت سب ہی ان کی شخصیت سے مستفید ہوتے نظر آتے ہیں۔

۱۵ نومبر ۲۰۰۹ء کو عہد حاضر کے سکہ بند مارکسسٹ، سرگرم سماجی کارکن، شفیق استاد اور عظیم انسان پروفیسر محمد نعمان نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور یوں اس ملک کی تاریخ کا ایک درخشاں باب بند ہوا۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

اربن ریسورس سینٹر

A-2، دوسری منزل، ویسٹ لینڈ ٹریڈ سینٹر، کمرشل ایریا، کراچی یونین کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی،
بلاک 8 & 7، شہید ملت روڈ، کراچی، پاکستان
فون: 021-34559317، فیکس: 021-34387692
ای میل: urc@cyber.net.pk، ویب سائٹ: www.urckarahi.org

URC

قیمت 50 روپے